غلام عباس کی کردار نگاری کی متنوع صورتیں

عابد سیال

ABSTRACT:

Ghulam Abbas is one of the prominent story writers of modern Urdu fiction. He is known for his perfection in technique and narration of the story. However, in author's point of view, his characterization is the most important feature of his fiction which is the distinction of his works. He picks his characters from common people and explore their distinction in life as well as in their class. Various aspects of characterization of Ghulam Abbas have been discussed in the article.

بیانیے، تکنیک اور افسانے کے دیگر فنی لوازم کی کامل صورت بھی اردو افسانے میں غلام عباس کا امتیاز ٹھہرتا ہے۔ اس کے باوجود ان کے افسانوں کی نمایاں تر خوبی ان کی کردار نگاری ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار ماورائی، تخیلاتی یا مصنوعی معلوم نہیں ہوتے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کردار کو سوچتے نہیں بل کہ روزمرہ زندگی کے مشاہدے میں اسے تلاش کرتے ہیں۔ جب انھیں کوئی متاثر کن کردار نظر آتا ہے تو وہ اپنی بصارت اور بصیرت دونوں کو استعمال کرتے ہوئے اس کے خدوخال، چال ڈھال، عادات و اطوار، بول چال کی مدد سے اس کی خارجی اور داخلی دنیا تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ افسانے میں کردار کی پیش کش کے عمل پر غلام عباس کی دسترس بہت گہری ہے۔ وہ اپنے کرداروں کو خصوصیات کو بڑی چابک دستی سے اور مختلف فنکارانہ حربوں سے قاری تک پہنچاتے ہیں؛ ان کی حرکات وسکنات اور ان کی گفت گو کو ان کے جذبات و احساسات اور ان کی فطرت کا غماز بناتے ہیں؛ اور افسانے کے بنیادی قضیے (conflict) کے ساتھ ان کا مضبوط رشتہ استوار کرتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ اس سارے عمل کے دوران وہ کردار کی اوریجنلٹی کو متاثر نہیں ہونے دیتے۔ اپنی کردار نگاری کے حوالے سے ان کا کہنا ہے:

> جہاں تک میری افسانہ نویسی کا تعلق ہے، میں خام مواد بڑی حد تک زندگی ہی سے لیتا ہوں۔ کہانی لکھنے کے لیے مجھے ایک کردار کی جستجو ہوتی ہے۔ یہ کردار سچ مچ کا یعنی گوشت پوست کا بنا

> ہونا چاہیے۔ میں اسے اپنے ذہن میں تخلیق نہیں کرتا بل کہ وہ مجھے زندگی ہی میں مل جاتا ہے۔ میرا اس پر کچھ قابو نہیں ہوتا اور نہ میں اپنے نظریات اس کی زبان سے کہلواتا ہوں۔ میں تو چپکے چپکے خود اس کی باتیں سنتا اور اس کے اعمال و افعال دیکھتا رہتا ہوں اور یوں رفتہ رفتہ میں اس کے مزاج کو کچھ کچھ پہچاننے لگتا ہوں۔ کردار سے افسانہ نگار کی اسی جان پہچان کو میں دراصل کردار نگاری سمجھتا ہوں۔(۱)

یوں غلام عباس اپنے کرداروں کو اپنی مرضی کی شکل عطا کرنے کی بجائے اُنھیں خود انھی کے روپ میں پیش کرتے ہیں، گویا کردار کی مصوری کرنے کی بجائے اسے کیمرے کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ غلام عباس کے ہاں کردار اپنی جزئیات کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ کرداروں کی حلیہ نگاری میں وہ لباس، وضع قطع اور عادات و اطوار کا بیان اس تفصیل سے کرتے ہیں کہ تصویر اپنے سارے خدوخال کے ساتھ ابھر آتی ہے:

> وہ چھوٹے قد کی ایک چھوٹی سی عورت تھی مگر اس کا چہرہ اس کے قد کے تناسب سے کافی بڑا تھا۔ اگر کبھی وہ آپ کے سامنے فرش پر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھے بیٹھی ہو اور آپ نے اسے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو اور اسے کسی ضرورت سے اٹھ کر کھڑا ہونا پڑے تو آپ کی آنکھیں یہ انتظار ہی کرتی رہ جائیں گی کہ ابھی وہ اور اونچی ہوگی۔(حمام میں) (۲)

> اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ ہاتھ پیر ابھی مضبوط تھے۔ معلوم ہوتا تھا جوانی میں صحت اچھی ہوگی۔ اس کا لباس گرمی، سردی، ہر موسم میں قریب قریب ایک ہی وضع کا تھا۔ کھدر کا کُرتا، موٹی ململ کی دھوتی، چارخانے کے کپڑے کا کوٹ، سر پر سیاہ کرسٹی ٹوپی، پاؤں میں نری کا جوتا...... علاوہ ازیں ایک پرانا چھاتا جس کی موٹھ ہاتھی دانت کی اور فیشن ایبل بنی ہوئی تھی اس کے لباس کا جزو بن گیا تھا۔(چکر) (۳)

> یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں۔ بادامی رنگ کا اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا اَدھ کھِلا پھول اُٹکا ہوا، سر پر سبز فلیٹ ہَیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں دوسرے میں بَید کی ایک چھوٹی چھڑی پکڑے ہوئے جسے کبھی کبھی وہ مزے میں آ کر گھمانے لگتا تھا۔(اوورکوٹ) (۴)

> ...... ایک ادھیڑ عمر دبلا پتلا شریف صورت آدمی دکان میں داخل ہوا۔ اس کے کپڑے میلے تھے، مگر پھٹے ہوئے نہ تھے۔ سر پر اس وضع کی پگڑی جیسے منشی لوگ باندھا کرتے ہیں۔ پاؤں میں نری کا جوتا۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس میں سفید بال زیادہ ہیں یا کالے۔ ایک گھٹیا درجے کی عینک لگائے ہوئے تھا جس کی ایک کمانی ٹوٹی ہوئی تھی اور اسے

دھاگے سے جوڑ رکھا تھا۔ (فینسی ہیئر کٹنگ سیلون) (۵)

غلام عباس کے ہاں کرداروں کا تنوع ملتا ہے۔ انھوں نے کسی خاص کردار یا کسی خاص طبقے کو اپنے لیے مخصوص نہیں کیا۔ زندگی کے ہر شعبے اور ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے کردار ان کے ہاں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کرداروں میں ایک خوبی مشترک ہے اور وہ ہے ان کی عمومیت۔ یہ کردار عام طور پر اپنے طبقے کے نمائندہ ہوتے ہیں، لہٰذا کسی ایک کردار کے رویے اور اس کے حالات و مسائل اس پورے طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ 'اوورکوٹ' کا نوجوان، 'کتبہ' کا شریف حسین، 'چکر' کا چیلا رام، 'سایہ' کا سبحان وغیرہ ایسے کردار ہیں جنھیں ہم روز اپنے اردگرد دیکھتے ہیں۔ غلام عباس نے ان کرداروں کے روزن سے معاشرے کے مختلف گروہوں کی زندگی کا اصل روپ دیکھنے اور دکھانے کی کوشش ہے۔

غلام عباس کے بعض افسانے ایسے ہیں جن میں کئی کردار مل کر ایک کردار کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس کی ایک صورت ''بہروپیا'' میں سامنے آتی ہے جس میں مرکزی کردار مختلف چہروں میں بٹا ہوا ہے اور اگر دکھائے گئے چہروں میں سے کوئی بھی کم کر دیا جائے تو اس کی شخصیت مکمل نہیں ہوتی۔ یہاں مصنف نے یہ کمال دکھایا ہے کہ اس کردار کا کوئی روپ اتنا نمایاں نہیں کیا جس سے یہ تعین ہو سکے کہ یہ اس کا اصل روپ ہے اور باقی بہروپ۔ اس کے ہر روپ یا بہروپ کی اصلیت اور زندگی سے اس کی جڑت ایک جیسی ہے۔ لہٰذا اگر اس کے سارے بہروپ نکال دیے جائیں تو اس کردار کی شخصیت میں کچھ بھی نہیں بچتا۔ دوسری صورت وہ ہے جہاں ایک کردار مختلف چہروں کی بجائے مختلف کرداروں میں منقسم ہے۔ اس کی مثال ''حمام میں'' کی فرخندہ بھابی ہے۔ فرخندہ بھابی کے اردگرد کے لوگ اسی کی ذات کے حصے معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی غیر محسوس طور پر اس کا تابع ہے۔ ان کی اپنی شخصیتیں ہونے کے باوجود وہ متحرک نہیں ہیں۔

غلام عباس کے کرداروں کے متعلق ناقدین یہ رائے بھی رکھتے ہیں کہ ان کے ضمنی کردار مرکزی کرداروں کی نسبت زیادہ اہم معلوم ہوتے ہیں۔ ن۔م۔راشد کے لفظوں میں:

> غلام عباس کے افسانوں کے ہیرو اس کے افسانوں کے لیے اتنے اہم نہیں جتنے وہ ضمنی کردار جن سے اس کے افسانوں کے اندر زندگی کا پورا میلہ صورت پکڑتا ہے۔ اس میلے میں طرح طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں ۔۔۔ غلام عباس کی دنیا اس بے پناہ خلقت سے بھری پڑی ہے۔ انھی میں وہ اپنے بڑے کرداروں کو نکالتا ہے اور انھی کے اندر انھیں پھر سے ڈال دیتا ہے۔ انھی کی مدد سے وہ انسانی دنیا کی کوتاہیوں پر ہنستا ہے، انھی کے اعمال سے غلام عباس اپنا یہ بنیادی تصور ہم پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ انسان کی دنیا میں کوئی چیز اور کوئی قدر مستقل نہیں۔ (۶)

ضمنی کرداروں پر زیادہ توجہ دینے کی دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو غلام عباس کا جزئیات نگاری کی طرف رجحان ہے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ ''کردار نگاری کے ساتھ ساتھ ایک بہت ضروری چیز ہے جزئیات نگاری۔ ان

جزئیات کو براہِ راست زندگی کے مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہونا چاہیے۔‘‘(۷) اس رجحان کے باعث وہ افسانے کے ماحول میں کسی چیز کو کم اہم نہیں سمجھتے، اس لیے ضمنی کردار بھی بھرپور توجہ حاصل کرتے ہیں اور ان کا رنگ روپ ایسا نکھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ مرکزی کرداروں کے برابر اہمیت حاصل کر لیتے ہیں۔ دوسری وجہ، جس کی طرف ن۔م۔راشد کے محولہ بالا قول میں بھی اشارہ ملتا ہے، یہ ہے کہ ان کے ضمنی کردار ایسے ہیں جن کے مجموعے سے معاشرے کی اصل شکل وجود میں آتی ہے۔ یہ کردار معاشرتی زندگی کا اہم حصہ ہیں اور زندگی کی گہما گہمی اور رونق کا احساس دلاتے ہیں اور وہ پس منظر مہیا کرتے ہیں جن سے افسانہ صحیح معنوں میں عصری زندگی کا ترجمان بنتا ہے۔ ان کرداروں میں سرکاری افسر، کلرک، کالجوں کے طلبہ، نوکر، مزدور، خوانچہ فروش اور دیگر درجنوں قسم کے افراد شامل ہیں۔

مرکزی اور ضمنی کرداروں کی اس تقسیم سے یہ سمجھنا درست نہیں ہوگا کہ ضمنی کردار اِن طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں تو مرکزی کردار کسی اور طبقے سے ہوں گے۔ غلام عباس کے افسانوں کے مرکزی کردار بھی انھی ضمنی کرداروں کی دنیا ہی سے لیے گئے ہیں لیکن وہ ایسے ہیں جو کسی وجہ سے انفرادیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان میں کوئی خصوصیت، کوئی احساس، کوئی جذبہ ایسا ہے جو انھیں اس عمومیت میں امتیاز بخشتا ہے۔ اس امتیاز کے باوجود ان کرداروں کا تعلق اپنے طبقے سے بہت گہرا اور مستحکم رہتا ہے۔ اس لیے یہ کردار نہ صرف اپنے طبقے سے شناخت حاصل کرتے ہیں بل کہ اپنی انفرادیت کی بنا پر اسے ایک نئی شناخت بخشنے کے عمل میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ غلام عباس کے ان خاص کرداروں کی عمومیت کی مثالیں جابجا موجود ہیں۔ مثلاً ’’سایہ‘‘ کا سبحان، وکیل صاحب کے گھر والوں سے جس کا اُنس افسانے کے آخر تک پہنچتے پہنچتے غیر معمولی صورت اختیار کر جاتا ہے اور اس کردار کو انفرادیت عطا کرتا ہے، اپنے دیگر حالات اور معمولات کے اعتبار سے ایک عام آدمی ہے۔ اس کی سابقہ زندگی کا تعارف افسانہ نگار نے یوں کرایا ہے:

> سبحان کو اس علاقے میں ٹھیلہ لگاتے پانچ برس ہو چکے تھے۔ یہی ایک کام تھا جو اس نے ایک جگہ جم کر اتنے عرصے تک کیا تھا۔ ورنہ اس کی ساری عمر گھومنے پھرنے میں گزر گئی تھی۔ ابھی وہ دس برس کا بھی نہ ہوا تھا کہ فکرِ معاش نے اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے بچپن اور جوانی میں بیسیوں دھندے کیے تھے۔ آج اس شہر میں تو کل اس شہر میں۔ کبھی کسی گھر میں اوپر کے کام پر ملازم ہے تو کبھی کسی دفتر میں چپراسی ہے، کبھی ریلوے شاپ میں تو کبھی چھاپے خانے میں۔ کچھ عرصہ فوج میں بھی رہا۔ جب تک ہاتھ پاؤں میں سکت رہی، آزاد مزدوری کو ہر کام پر ترجیح دی، مگر جب جوانی گزر گئی اور بڑھاپے کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تو طبیعت محنت مشقت سے بھاگنے لگی۔ آخر اس نے اتنی رقم جمع کر لی کہ ایک ٹھیلا خرید لے۔۔۔
>
> (۸)

اس تفصیل میں کسی طرح کی کوئی انفرادیت نہیں اور نہ کوئی ایسا اشارہ ہے جو سبحان کے کردار میں بعد میں پیدا ہونے

والے غیر معمولی پن کی خبر دے سکے۔ اسی طرح ''اس کی بیوی'' کے مرکزی کرداروں، نوجوان اور نسرین، کی عادات واطوار سے بھی کسی غیر معمولی پن کا احساس نہیں ہوتا لیکن افسانے کے ارتقا کے ساتھ ساتھ نوجوان کی اپنی بیوی سے محبت غیر معمولی صورت اختیار کرتی چلی جاتی ہے جو افسانے کے اختتام پر نسرین میں مامتا کے غیر معمولی جذبے کی بیداری کا سبب بن کر ان دونوں کرداروں کو ان کے معمولی پن سے نکال کر انفرادیت عطا کرتی ہے۔

غلام عباس کے بعض کرداروں میں ثنویت کا تاثر ابھرتا ہے۔ یہ ثنویت زندگی کے بعض بنیادی تضادات کو سامنے لاتی ہے۔ اس کا اظہار کبھی تو ایک ہی کردار کے دو متضاد چہروں کے ذریعے کیا گیا ہے اور بعض اوقات دو مختلف کرداروں سے۔ جہاں یہ کام ایک ہی کردار سے لیا گیا ہے وہاں یہ ثنویت کردار کے ظاہر و باطن اور داخل و خارج کی کش مکش اور تضاد کو اجاگر کرتی ہے۔ ایسے کرداروں میں ''اوورکوٹ'' کے نوجوان، ''دوتماشے'' کے مرزا برجیس قدر وغیرہ کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ ''اوورکوٹ'' کا نوجوان اپنی غربت اور کم مائیگی کو اپنی ظاہری وضع قطع اور لباس میں چھپانے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ ''دوتماشے'' کا مرزا برجیس قدر حقیقی زندگی میں اپنے سامنے موجود بھکارن لڑکی اور اس کے اندھے باپ کو دھتکار دیتا ہے جب کہ سینما میں ایک فلم میں ایسا ہی منظر دیکھ کر سچ مچ رونے لگتا ہے۔ یہاں مصنف نے اس بات کی طرف کوئی اشارہ نہیں دیا کہ مرزا کا یہ رونا حقیقی تھا یا مصنوعی، اس لیے مرزا کے اس عمل کے شعوری یا لاشعوری ہونے پر رائے دینا مشکل ہے۔ تاہم اس سے اس کے دو رویّوں کا تضاد ضرور سامنے آتا ہے۔ دو مختلف کرداروں میں جہاں اس تضاد کو اجاگر کیا گیا ہے، ان میں '' بھنور'' کی دو بہنیں بہار اور گُل، ''بردہ فروش'' کے دو بڈھے کرم دین اور چودھری گلاب، ''سایہ'' کے دو بھائی شمشاد اور مختار، ''اس کی بیوی'' کی نجمی اور نسرین وغیرہ شامل ہیں۔ مختلف کرداروں میں یہ ثنویت ایک طرف تو غلام عباس کے ہاں خیر وشر کے تصادم کے ساتھ جڑتی ہے اور دوسری طرف اس سے انسانی جذبات کی رنگارنگی اور تنوع کا اظہار ہوتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غلام عباس، ''افسانہ میری نظر میں'' مطبوعہ ہم قلم، کراچی: ۱۹۶۱ء، ص۹، ۱۰

۲۔ غلام عباس، ''حمام میں'' مشمولہ آنندی، لاہور: ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص۵۷

۳۔ غلام عباس، ''چکر'' مشمولہ آنندی، ص۱۱۷

۴۔ غلام عباس، ''اوورکوٹ'' مشمولہ جاڑے کی چاندنی، لاہور: ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۰ء، ص۳۵

۵۔ غلام عباس، ''فینسی ہیئر کٹنگ سیلون'' مشمولہ جاڑے کی چاندنی، ص۱۴۰

۶۔ ن۔م۔راشد، تمہید جاڑے کی چاندنی، ص۹

۷۔ غلام عباس، ''افسانہ میری نظر میں'' مطبوعہ ہم قلم، کراچی: ۱۹۶۱ء، ص۱۱

۸۔ غلام عباس، ''سایہ'' مشمولہ زندگی، نقاب، چہرے، کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۴ء، ص۲۲۹